ایڈورڈ سعید (Edward Said)

تمہید پیام ہی میں اپنی تقریر تمام ہو گئی

ڈاکٹر غلام شبّیر رانا
مصطفیٰ آباد، جھنگ سٹی (پاکستان)

(پیدائش: یکم نومبر ۱۹۳۵ء—وفات: ۲۵ ستمبر ۲۰۰۳ء)

عالمی شہرت کے حامل نابغۂ روزگار ادیب ایڈورڈ سعید (۱۹۳۵ء-۲۰۰۳ء) یکم نومبر ۱۹۳۵ء کو پیدا ہوئے اور ۲۵ ستمبر ۲۰۰۳ء کو نیویارک میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ خون کے سرطان کے عارضے سے بارہ سال تک پورے عزم و استقامت کے ساتھ نبرد آزما رہنے کے بعد اس جری تخلیق کار کو اجل کے بے رحم ہاتھوں کے سامنے سپر انداز ہونا پڑا۔ انسانیت کے وقار، سربلندی اور فلسطینی عوام کے حقوق کا ایک بے باک حامی داغِ مفارقت دے گیا۔ علم و ادب کے شائقین اور وسیع المطالعہ ادبی حلقوں میں اس دانش ور کے کام کو ہمیشہ قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ پس نو آبادیات، مابعد جدیدیت اور مشرق و مغرب کے بدلتے ہوئے ادبی رجحانات پر گہری نظر رکھنے والے اس جری نقاد کی رحلت سے جو خلا پیدا ہوا، اُسے عالمی ادبیات میں شدت سے محسوس کیا گیا۔ قحط الرجال کے موجودہ زمانے کا سب سے بڑا فکری المیہ، تجزیاتی مغالطہ اور معاشرتی سانحہ یہ ہے کہ اس دورِ ناپرساں میں سرابوں میں بھٹکنے والی الم نصیب مخلوق ہر چمکتی ہوئی چیز کو سونا سمجھنے لگی ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کے فروغ، مواصلات کی برق رفتار ترقی اور محیر العقول ایجادات کے کرشمے دیکھ کر کم فہم لوگوں کو اکثر یہ گماں گزرتا ہے کہ شاید سورج کی شعاعوں کو اسیر کرنے والوں نے انھیں پتھر کے زمانے کے ماحول سے نکال کر دورِ جدید میں پہنچا دیا ہے۔ تخیل کی شادابی سے مسحور لوگ یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ وہ دِن دُور نہیں جب زندگی کی تیرہ و تار بھیانک راتیں اپنے اختتام کو پہنچیں گی اور طلوعِ صبحِ بہاراں کے اِمکانات روشن ہو جائیں گے۔ یہ حالات کی ستم ظریفی نہیں تو اور کیا ہے کہ سائنسی ترقی کی چکا چوند کے باوجود جان لیوا تیرگی نے مظلوم اور بے بس و لاچار انسانیت کو دبوچ رکھا ہے۔ یہ ایک لرزہ خیز اور اعصاب شکن المیہ ہے کہ جدید دور میں سائنس و ٹیکنالوجی کی نگاہوں کو خیرہ کر دینے والی روشنیوں کے باوجود معاشرتی زندگی کے اُفق پر قرونِ وسطیٰ کے مہیب سناٹوں، خون کے آنسو رُلانے والی ہلاکت خیزیوں، تباہ کن بے حسی اور لرزہ خیز ظلمتوں کا عفریت منڈلا رہا ہے۔ مسلسل شکستِ دِل کے باعث کارواں کے دِل سے اِحساسِ زیاں رفتہ رفتہ عنقا ہونے لگا ہے اور کسی یگانۂ روزگار دانش ور کی دائمی مفارقت کی خبر سُن کر بھی لوگ ٹس سے مس نہیں ہوتے۔ ایڈورڈ سعید کے نہ ہونے کی ہونی دیکھ کر دِل دہل گیا۔ تقدیر کا یہ نوشتہ پڑھ کر سب لوگ دنگ رہ گئے کہ کیسے کیسے آسمان پیمانۂ عمر بھر کر ردائے خاک اوڑھ کر زمین کی گہرائیوں میں سما گئے اور ہر سر کے ساتھ فقط ایک سنگ ہی باقی رہ گیا۔ اس ہوائے بے اماں میں سیلِ زماں کے مہیب تھپیڑے فکر و خیال اور افکار کی جولانیوں کے سب سلسلے بہا لے گئے۔ ایڈورڈ سعید نے گزشتہ صدی کی تاریخ، معاصر ادبی رجحانات، لسانی تغیرات، فکر و فلسفہ اور عالمی کلاسیک کا وسیع مطالعہ کیا تھا۔ امریکہ میں پس ساختیات کے انتہائی فعال، فطین، مستعد اور بے باک نمائندہ کی حیثیت سے ایڈورڈ سعید نے اپنی صلاحیتوں کی دھاک بٹھا دی۔ سال ۱۸۹۶ء میں روشنی کے سفر کا آغاز کرنے والی نجی شعبے کی کولمبیا یونیورسٹی (نیویارک سٹی) میں انگریزی ادبیات کی تدریس پر مامور اس ماہرِ تعلیم کو پس نو آبادیاتی ادبیات کی تحقیق و مطالعات کے بنیاد گزار کی حیثیت سے منفرد مقام حاصل تھا۔ ایڈورڈ سعید کے مداح اسے ایک نادر، نابغہ اور حقیقی معنوں میں عوامی مقبولیت کا حامل دانش ور قرار دیتے ہیں جس کے مؤثر اور ہمہ گیر افکار کے اثرات ہر عہد کے ادب میں ملیں گے۔ ایڈورڈ سعید نے اپنے عہد کے جن ممتاز ادیبوں کے خیالات سے استفادہ کیا، ان سے معتبر ربط برقرار رکھا ان کے نام درج ذیل ہیں:

مشل فوکاں (Michel Foucault)، فرانٹز فانون (Frantz Fanon)، نوم چومسکی (Noam Chomsky)، کارل مارکس (Karl Marx)، ژاک دریدا (Jacques Derrida)، انٹونیو گرامسکی (Antonio Gramsci)، ولیم شیکسپیئر (William Shakespeare)، ژاں پال سارتر (Jean-Paul Sartre)، فریڈرک نطشے (Friedrich Nietzsche)، تھیوڈور

ایڈورنو (Theodor W. Adorno)، جوزف کونریڈ (Joseph Conrad)، گلز ڈیلیز (Gilles Deleuze)، ایمز سیزر (Aimé Césaire)،

اقبال احمد (Eqbal Ahmad)، برٹرینڈ رسل (Bertrand Russell)، ریمنڈ ولیمز (Raymond Williams)، آرتھر شوپنہار (Arthur Schopenhauer)، گیامبٹسٹا ویکو (Giambattista Vico)، سٹیون مارکوس (Steven Marcus)

ایڈورڈ سعید کا شمار بیسویں صدی کے اُن رجحان ساز ادیبوں میں ہوتا ہے جنھوں نے ہوائے جوروستم بھی حریتِ فکروعمل کا علم بلند رکھنے پر اصرار کیا۔ ادب کے وسیلے سے عصری آگہی پروان چڑھانے کی تمنا کرنے والے اس انتہائی زیرک، فعال اور مستعد تخلیق کار نے اپنی تخلیقی فعالیت کو بروئے کار لاتے ہوئے ستاروں پر کمند ڈالی۔ تحقیق وتنقید اور لسانیات کے شعبوں میں اس کی عظیم الشان کامرانیوں کی پوری دنیا میں دُھوم مچ گئی۔ دنیا بھر میں ذوقِ سلیم سے متمتع زندہ دلوں اور ژرف نگاہوں نے اس فطین تخلیق کار کی ادبی کامرانیوں کو ہمیشہ بہ نظرِ تحسین دیکھا۔ رنگ، خوشبو اور حسن وخوبی کے تمام استعاروں سے مزین اس کے اسلوب نے پتھروں سے بھی اپنی تاثیر کا لوہا منوالیا۔ اس نے افکارِ تازہ کی مشعل تھام کر سفاک ظلمتوں کو کافور کر کے جہانِ تازہ کی جانب سرگرم سفر رہنے کا پختہ عزم کر رکھا تھا۔ ایڈورڈ سعید نے اپنی معرکہ آرا تصانیف سے عالمی ادبیات کی ثروت میں جو اضافہ کیا اس کا ایک عالم معترف ہے۔ ذوقِ سلیم سے متمتع ادب اور فنون لطیفہ سے گہری دلچسپی رکھنے والے اس کوہ پیکر تخلیق کار نے اپنی زندگی علم وادب، فنون لطیفہ اور تحقیق وتنقید کے فروغ کے لیے وقف کر رکھی تھی۔ بچپن ہی سے پیانو بجانے میں اس نے گہری دلچسپی لی۔ ایڈورڈ سعید نے ادب اور فنون لطیفہ کو جدید دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کے سلسلے میں جو گراں قدر خدمات انجام دیں وہ ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔ ایڈورڈ سعید کا شمار اوپیرا کے ممتاز نقادوں، پیانو کے ماہرین، ریڈیو، ٹیلی ویژن اور ذرائع ابلاغ سے وابستہ عظیم شخصیات، زیرک، معاملہ فہم اور دُور اندیش سیاست دانوں، میڈیا کے ماہرین، شعلہ بیان مقررین اور ہر دل عزیز ادیبوں میں ہوتا تھا۔ تیشۂ حرف سے فصیلِ جبر کو منہدم کرنے کے لیے کوشاں رہنے والے اس جری، پُرعزم اور باہمت تخلیق کار نے فسطائی جبر کے سامنے سپر انداز ہونے سے انکار کر دیا۔ اگرچہ وہ زندگی بھر سامراجی طاقتوں کے ٹکڑوں پر پلنے والے ابن الوقت، مفاد پرست اور کینہ پرور حاسدوں کے طعنوں اور دشنام طرازی کی زد میں رہا، مگر اس نے کبھی دِل بُرا نہ کیا اور اپنی دُھن میں مگن پرورشِ لوح وقلم میں مصروف رہا۔ وہ فصلِ خزاں میں بھی خمیدہ بُور لدے چھتنار کی ڈالی تھام کر فصلِ بہار کا منتظر رہا اور فصلی بٹیروں، مرغ بادنما اور طوطا چشم عناصر کی جانب کبھی توجہ نہ دی۔ سبک نکتہ چینی کے عادی اس کے حرف گیروں کا خیال تھا کہ ایڈورڈ سعید کے طرزِ عمل سے بنیاد پرستوں کے موقف کو تقویت ملنے کا اندیشہ تھا۔ اس قسم کی منافرت پھیلانے والی تحریروں کے باوجود ایڈورڈ سعید اپنے موقف پر ڈٹ گیا اور ہوائے جوروستم کے گرد آلود بگولوں میں بھی پورے عزم واستقلال کے ساتھ شمعِ وفا کو فروزاں رکھا۔ اس کی ایک مثال اوسلو امن معاہدے پر اس کی کڑی تنقید ہے۔ ایڈورڈ سعید نے اپنی پیش بینی اور بصیرت سے یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ امریکی صدر کلنٹن، یاسر عرفات اور اسرائیلی وزیر اعظم رابن حقائق سے شپرانہ چشم پوشی کر رہے ہیں اور فلسطین کے مظلوم عوام کے حقوق کو پس پشت ڈالا جا رہا ہے۔ وہ ایسی فلسطینی ریاست کو سایوں، سرابوں اور فریبِ نظر کی حکومت سمجھتا تھا جس پر اسرائیل کا مکمل قبضہ ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ جب ۱۳ر ستمبر ۱۹۹۳ء میں وائٹ ہاؤس میں اوسلو امن معاہدے پر دستخط کی تقریب کا انعقاد ہوا تو ایڈورڈ سعید کو بھی مدعو کیا گیا مگر اس نے اس تقریب میں شرکت سے انکار کر دیا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ حالات نے یہ ثابت کر دیا کہ مظلوم فلسطینی عوام کی سب تمنائیں نقش بر آب ثابت ہوئیں۔ مظلوم عربوں اور فلسطینیوں کے حقوق کی خاطر ایڈورڈ سعید نے انتھک جد وجہد کی۔ اس نے دنیا بھر کی مظلوم اور محکوم انسانیت کے وقار اور سربلندی کا عزمِ صمیم کر رکھا تھا۔ استعماری طاقتوں کے مسلط کردہ جبر اور حبس کے ماحول نے فلسطین اور عرب ممالک کے باشندوں کی زندگی اجیرن کر دی۔ ایڈورڈ سعید نے ان علاقوں کی دُکھی انسانیت کے ساتھ جو عہدِ وفا استوار کیا اسی کو علاجِ گردشِ لیل ونہار قرار دیتے ہوئے زندگی بھر صدقِ دِل سے اُس پر عمل کیا۔

اپنے حقیقت پسندانہ اسلوب میں ایڈورڈ سعید نے مشرق ومغرب، سیاہ وسفید، شہری و دیہاتی، حاکم ومحکوم، ظالم ومظلوم، دیہات وقصبات، مضافات ونوآبادیات اور بڑے شہروں کی تہذیب، ثقافت اور معاشرت سے متعلق تلخ حقائق کو نہایت جرأت کے ساتھ زیبِ قرطاس کیا ہے۔ اس کی دلی تمنا تھی کہ معاشرتی زندگی سے فرسودہ اور دقیانوسی تصورات کو بیخ وبن سے اُکھاڑ پھینکنے میں تخلیق کار اپنا کردار ادا کریں۔ ایڈورڈ سعید نے کسی مصلحت کی پروانہ کی اور جو فروش گندم نما استحصالی عناصر نے اپنے مکر

کی چالوں، عیاری اور خوشامد سے اپنا الو سیدھا کرنے اور دیارِ مشرق کی پس ماندہ اقوام کو اپنا تابع بنانے کی جو روش اپنا رکھی ہے، اُسے کڑی تنقید کا نشانہ بنایا۔ ایک حساس اور مخلص انسان کی حیثیت سے ایڈورڈ سعید نے اہلِ مغرب کی مسلط کردہ مصنوعی جکڑ بندیوں، بے جا قدغنوں اور نا روا امتیازی سلوک پر اپنے رنج و غم اور کرب کا برملا اظہار کیا اس کا پردہ فاش کرنے کی مقدور بھر کوشش کی۔ مشرق کے مکینوں کو جابرانہ، گروہی اور متعصب ماحول سے نجات دلانے کے سلسلے میں ایڈورڈ سعید نے قلم بہ کف مجاہد کا کردار ادا کیا۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ رنگ اور نسل پرستی کی مظہر ان دو تہذیبوں میں جو بُعد المشرقین پایا جاتا ہے اس کے سمٹنے کے امکانات عنقا ہیں۔ ایڈورڈ سعید کی علمی، ادبی اور تحقیقی خدمات کے بار احسان سے عالمی ادب کے طالب علموں کی گردن ہمیشہ خم رہے گی۔ اس کی وقیع تصانیف کی مقبولیت اور افادیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ان معرکہ آرا تصانیف کے دنیا کی چھبیس (۲۶) بڑی زبانوں میں تراجم کیے گئے۔ تخلیقِ فن کے لمحات میں ایڈورڈ سعید نے خون بن کر رگِ سنگ میں اُترنے کی جو سعی کی ہے اس کا کرشمہ دامنِ دل کھینچتا ہے۔ اس کے اسلوب اور ڈسکورس کا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت معلوم ہوتی ہے کہ اسے مانوس، مروّج و مقبول خیالات کی کورانہ تقلید سے شدید نفرت تھی اور ان سے مرعوب ہونے کے بجائے ان مخفی اور نامانوس تلخ حقائق کے احساس و ادراک پر زور دیا جو مفاد پرست استحصالی عناصر اور استبدادی طاقتوں کی اُڑائی ہوئی گرد میں نہاں ہوتے چلے گئے ہیں۔ ایڈورڈ سعید کا اسلوب زندگی بھر مائل بہ ارتقا رہا اور اپنے فنی سفر میں اس نے خوب سے خوب تر کی جانب پیش قدمی جاری رکھی۔ عہدِ جوانی میں مروج نظریات کے انکار اور استرداد کو شعار بنانے والے اس جری تخلیق کار کے اسلوب میں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ نکھار آتا چلا گیا، لیکن ایک بات حیران کن ہے کہ آخری عمر میں اس کی تحریروں میں ابہام اور تسلیم کا شائبہ گزرتا ہے۔ اس کی ابتدائی عمر کی تصانیف میں جو دبنگ لہجہ، تُندی و تیزی اور سخت گیری پائی جاتی ہے وہ رفتہ رفتہ ملائمت، مفاہمت اور مصلحت میں ڈھل گئی۔ ایڈورڈ سعید کی اہم تصانیف درج ذیل ہیں:

1. Orientalism(1978), 2. Culture and Imperialism(1993), 3. The Question of Palestine(1979), 4. Out of Place: A Memoir (1999), 5.Covering Islam (1981), 6.Reflections on Exile and Other Essays (2000), 7.The World, the Text, and the Critic (1983), 8.Representations of the Intellectual (1994), 9.On late style (1999), 10.Parallels and Paradoxes (2002),11.The Edward Said Reader (2000), 12.Power, Politics, and Culture: Interviews with Edward W. Said(2001), 13.Beginnings: Intention and Method (1975), 14.Humanism and Democratic Criticism (2004),15.The Politics of Dispossession (1994),16.Musical Elaborations (1991), 17.After the Last Sky (1986), 18.Joseph Conrad and the Fiction of Autobiography (1966),19.Peace And Its Discontents(1995),20.Blaming the Victims (1988), 21. Conversations with Edward Said(2006),22.Music at the Limits(2008),23.Freud and the Non-European(2003),24.Cultura e imperialismo (1993), 25. L'orientalisme (1980), 26. Manufacturing Consent: The Political Economy of the Mass Media (1988), 27. Nationalism, Colonialism and Literature: Yeats and Decolonization(1988),

ایڈورڈ سعید کا والد واڈی ابراہیم (Wadie Ibrahim) ایک متمول تاجر تھا۔ ایک معاملہ فہم تاجر کی حیثیت سے واڈی سعید نے اپنے عہدِ شباب میں امریکہ کی مختلف ریاستوں کے تجارتی سفر کیے۔ پہلی عالمی جنگ ۲۸ / جولائی ۱۹۱۴ء — ۱۱ / نومبر ۱۹۱۸ء) میں خدمات انجام دینے کی وجہ سے واڈی ابراہیم کو امریکی شہریت مِل گئی۔ ایڈورڈ سعید کی والدہ ہلڈا سعید (Hilda Said) کی دلی تمنا تھی کہ وہ اپنے لختِ جگر کو جنگ زدہ یروشلم کے پر آشوب ماحول سے نکال کر مصر لے جائیں۔ عرب ممالک اور اسرائیل کی جنگ (۱۹۴۸ء) کے زمانے میں حالات سے دِل برداشتہ ہو کر ایڈورڈ سعید کے خاندان نے مصر کی جانب نقل مکانی کی اور قاہرہ میں مقیم ہو گئے۔ مصر کے شہر قاہرہ منتقلی کے وقت ایڈورڈ سعید کی عمر دو سال

تھی۔ قاہرہ میں ایڈورڈ سعید کے والد نے کتب اور اسٹیشنری کی تجارت کرنے والی ایک فلسطینی کمپنی کے اشتراک سے کام کا آغاز کیا، مگر مصر کے بازار میں بھی جب جنس گراں کے خواہاں کم کم نظر آئے تو یہ خاندان سال ۱۹۵۱ء میں امریکہ منتقل ہو گیا، مگر ایڈورڈ سعید کے خاندان کے باقی افراد قاہرہ ہی میں مقیم رہے۔ ایڈورڈ سعید کی چچی نے فلسطینی پناہ گزینوں کی بحالی کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ امریکہ پہنچنے کے بعد ایڈورڈ سعید کو ذرے سے آفتاب بننے کے متعدد مواقع میسر آئے۔ اس نے سال ۱۹۵۷ء میں پرنسٹن یونیورسٹی سے بی۔ اے کیا۔ اس کے بعد وہ سال ۱۹۳۶ء میں علم کی روشنی کے سفر کا آغاز کرنے والی ہارورڈ یونیورسٹی پہنچا اور انگریزی ادبیات کے اختصاصی مطالعہ میں انہاک کا مظاہرہ کرتے ہوئے دادِ تحقیق دی۔ ایڈورڈ سعید نے ہارورڈ یونیورسٹی سے سال ۱۹۶۰ء میں ایم۔ اے کیا۔ اس کے بعد ایڈورڈ سعید نے مائر جانس (Maire Jaanus) سے شادی کر لی۔ یہ ازدواجی تعلقات چھ برس (۱۹۶۲ء۔۱۹۶۷ء) پر محیط ہیں۔ ایڈورڈ سعید نے ہارورڈ یونیورسٹی سے سال ۱۹۶۴ء میں پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ تعلیم کی تکمیل کے بعد ایڈورڈ سعید نے عملی زندگی میں شعبۂ تدریس کا انتخاب کیا۔ سال ۱۹۶۳ء میں وہ کولمبیا یونیورسٹی میں انگریزی ادبیات کی تدریس پر مامور ہوا۔ اپنی قابلیت کی بنا پر وہ صرف چار سال کے بعد اسسٹنٹ پروفیسر ہو گیا اور سال ۱۹۶۹ء میں اُسے مکمل پروفیسر کے منصب جلیلہ پر فائز کیا گیا۔ ایڈورڈ سعید نے سال ۱۹۷۰ء میں اعلیٰ تعلیم یافتہ لبنانی لڑکی مریم سی سعید (Mariam C. Said) سے عقدِ ثانی کر لیا۔ مریم سی سعید نے بھی تخلیق ادب میں نام پیدا کیا، ان کی تالیف (A World I Loved:The Story of an Arab Woman,") کو علمی و ادبی حلقوں کی جانب سے زبردست پذیرائی ملی۔ یہ تالیف ان کی والدہ وداد مکدیسی کورٹاس (Wadad Makdisi Cortas.) عرصۂ حیات (۱۹۱۷ء۔۱۹۷۰ء) کی تدریس اور سیاحت سے وابستہ یادداشتوں پر مشتمل ہے۔ اپنی نانی کی خودنوشت کا حرف آخر نجلہ سعید (Najla Said) نے لکھا ہے جب کہ لبنان اور مشرق وسطیٰ کے حالات کا تاریخی جائزہ مریم سعید نے تحریر کیا ہے۔ مریم سی سعید اور ایڈورڈ سعید کا ایک بیٹا اور ایک بیٹی پیدا ہوئی۔ شوہر کی وفات کے بعد مریم سی سعید کا اب نیویارک میں مستقل قیام ہے۔ سال ۱۷۵۴ء میں علم کی ضیا پاشیوں کا آغاز کرنے والی کولمبیا یونیورسٹی میں پہنچ کر ایڈورڈ سعید کی تخلیقی فعالیت نے خوب رنگ جمایا اور یہیں اس کی معرکہ آرا تصنیف Orientalism سال ۱۹۷۸ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب کی اشاعت سے ایڈورڈ سعید شہرت اور مقبولیت کی بلندیوں تک جا پہنچا۔ اس کتاب کو بیسویں صدی کی اہم ترین اور مؤثر ترین تصنیف قرار دیا گیا اور پوری دنیا میں اس کی زبردست پذیرائی ہوئی۔ اس نے واضح کیا کہ مغربی تہذیب و ثقافت اور نو آبادیاتی نظام کے اسرار و رموز کی تفہیم کے لیے یہ امر ناگزیر ہے کہ اس کے سامراجی عزائم کی تہ تک پہنچا جائے۔ ایڈورڈ سعید کی یہ جامع تصنیف جن اہم موضوعات کا احاطہ کرتی ہے ان میں مطالعہ ادب، تقابلی ادبیات، تاریخ، علمِ بشریات، سوشیالوجی، جغرافیہ، علاقائی مطالعات اور تقابلِ ادیان شامل ہیں۔ ایڈورڈ سعید نے امریکہ اور اسرائیل کے جارحانہ رویے پر کھل کر تنقید کی کیونکہ ان ممالک کی مسلم اقوام کے بارے میں بیگانگی اور اہانت آمیز طرزِ عمل سے اسے شدید نفرت تھی۔ اس کا خیال تھا کہ دنیا کی بڑی طاقتوں کے اس نوعیت کے امتیازی سلوک کے باعث پس ماندہ اقوام نو آبادیاتی نظام کے چنگل میں پھنس گئیں اور ان کی زندگی کی تمام رُتیں بے ثمر ہو گئیں۔ دنیا کی بڑی طاقتیں جس دِل شکن انداز میں مظلوم انسانیت کے خلاف برسرِ پیکار ہیں اس کے خلاف ایڈورڈ سعید کا مغلوب الغیظ اس کے اسلوب کی پہچان بن گیا۔ سامراجی طاقتوں نے مکر و فریب، دغا و دُزدی سے کام لیتے ہوئے خود ساختہ، من گھڑت اور جعلی الزامات کے تحت پس ماندہ ممالک میں جارحیت کے ارتکاب سے وہاں کے باشندوں کی زندگی اجیرن کر رکھی ہے۔ اس نے اس امر پر ہمیشہ اپنی گہری تشویش اور اضطراب کا اظہار کیا کہ دنیا کی طاقت ور اقوام پس ماندہ ممالک میں فسطائی جبر کو پنجے گاڑنے اور کھل کھیلنے کے مواقع فراہم کرتی ہیں اور اس سلسلے میں سہولت کار کا قبیح کردار ادا کرتی ہیں۔ یہ جری امریکی فاضل مسلسل چار دہائی تک پرورش لوح و قلم میں مصروف رہا۔ ایک سرگرم سیاسی مفکر، ادبی تخلیق کار، محقق، نقاد اور حریتِ فکر و عمل کے مجاہد کی حیثیت سے ایڈورڈ سعید نے جو مؤثر اور فعال کردار ادا کیا وہ ہر دور میں یاد رکھا جائے گا۔ انسانیت کے وقار اور سربلندی کی خاطر ایڈورڈ سعید نے مقدور بھر جد و جہد کی۔ جبر کا ہر انداز مسترد کرتے ہوئے اس جلیل القدر نقاد نے سدا لفظ کی حرمت کو ملحوظ رکھنے پر اصرار کیا۔ اس نے تیشۂ حرف سے فصیل جبر کے انہدام کی جو راہ دکھائی وہ ہر عہد میں دلوں کو ایک ولولۂ تازہ عطا کرتی رہے گی۔ تخلیقی فعالیت اور مطالعۂ ادب کے سلسلے میں ایڈورڈ سعید نے جو اندازِ بیاں اپنایا اس میں تہذیبی، ثقافتی، سماجی، معاشی اور معاشرتی اقدار کو کلیدی اہمیت حاصل رہی۔ دنیا بھر میں پس ماندہ ممالک کی محکوم، مظلوم اور قسمت سے محروم پس ماندہ اقوام کو اذیت و عقوبت کی

زندگی سے نجات دلانے کے لیے ایڈورڈ سعید نے فکری سطح پر بھرپور جدو جہد کو شعار بنایا۔ اپنی جنم بھومی فلسطین سے قلبی وابستگی اور والہانہ محبت کرنے والے اس رجحان ساز ادیب نے حریتِ ضمیر سے جینے کی راہ اپنانے پر زور دیا اور فلسطین کے مظلوم باشندوں کے حقوق کے لیے انتھک جدوجہد کی۔ اساطیر اور دیو مالا سے وابستہ اسرار و رموز کی گرہ کشائی کرنے میں ایڈورڈ سعید نے جس انہماک کا ثبوت دیا وہ اس کی انفرادیت کی دلیل ہے۔ اگرچہ وہ خود ایک عرب عیسائی تھا، مگر ہر قسم کی علاقائی، لسانی، نسلی اور مذہبی عصبیت سے اپنا دامن بچاتے ہوئے ایڈورڈ سعید نے حبس کے ماحول میں جو طرزِ فغاں ایجاد کی وہی محکوم اقوام کی طرزِ ادا بن گئی۔ دنیا بھر کے مسلمانوں کے بارے میں عیسائیوں کی سطحی، عمومی نوعیت کی فرسودہ، دقیانوسی اور متعصّبانہ نوعیت کی سوچ کے مظہر روّیے پر ایڈورڈ سعید نے کڑی تنقید کی۔ انگریزی ادبیات، پسِ ساختیات اور تقابل ادبیات پر ایڈورڈ سعید نے جن فکر پرور اور خیال افروز مباحث کا آغاز کیا اس میں کوئی اُس کا شریک و سہیم نہیں۔ ایڈورڈ سعید نے امریکہ کے ڈیڑھ سو سے زائد کالجز اور جامعات میں توسیعی لیکچرز دیے۔ اس عالمِ آب و گِل کے کھیل کا ایڈورڈ سعید نے نہایت باریک بینی سے جائزہ لیا۔ زندگی کے نشیب و فراز کا مشاہدہ کرتے وقت وہ اُسی ارتکاز توجہ کا خیال رکھتا تھا جو مطالعۂ کتب کے لیے ناگزیر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کتاب زیست کی جزئیات نگاری میں وہ حیران کن مہارت کا ثبوت دیتا ہے۔ ذاتی مخالفین کے لیے وسعتِ نظر اور فراخ دلی، مگر سامراج کے بارے میں اس کا بے انتہا غیظ و غضب اور پیہم ستیز اس کی شخصیت کا امتیازی وصف سمجھا جاتا تھا۔

برطانیہ اور فرانس نے نو آبادیاتی نظام کے تحت پس ماندہ اقوام کو جس بے دردی سے لُوٹا اس کے بارے میں ایڈورڈ سعید نے حقائق پر روشنی ڈالتے ہوئے ان اقوام کے مظالم کا پردہ فاش کیا ہے۔ اس نے اپنی تحریروں سے یہ واضح کر دیا کہ یورپ میں صنعتی انقلاب کے بعد وہاں کے صنعت کاروں کی استحصالی سوچ سے معیشت کا سارا منظر نامہ بدل گیا۔ یورپ کے صنعت کار اپنی صنعتوں کے لیے درکار خام مال انتہائی ارزاں نرخوں پر حاصل کرنے کی فکر میں ایشیا اور افریقہ کے پس ماندہ ممالک میں پہنچے اور ان ممالک کے حاکموں سے ساز باز کر کے یہاں سے کِشت دہقاں اور معدنیات اونے پونے داموں بٹورنے لگے۔ اس طرح انھیں اپنی مصنوعات کو فروخت کرنے کے لیے منڈیاں دستیاب ہو گئیں اور کوڑیوں کے مول خام مال کے حصول میں بھی کامیابی حاصل ہوئی۔ ایڈورڈ سعید کو اس بات کا قلق تھا کہ یورپی اقوام نے ایشیا اور افریقہ کے پس ماندہ ممالک کے عوام کی زندگی کی تمام رُتیں بے ثمر، کلیاں شرر، زندگیاں پُر خطر اور آہیں بے اثر کر دی ہیں۔ یورپی اقوام نے عسکری قوت کے بل بوتے پر اپنی نو آبادیات میں اپنا تسلط قائم کر رکھا ہے۔ ان نو آبادیات میں معاشی، سیاسی، تہذیبی اور ثقافتی شعبوں میں یورپ کے غاصب اور جارحیت پسند درانداز وں نے اپنا تسلط قائم کر رکھا ہے۔ اس جارحانہ اور غاصبانہ تسلط کے خلاف ایڈورڈ سعید نے مثبت شعور و آگہی پیدا کرنے کی مقدور بھر کوشش کی۔

اپنی تحریروں میں ایڈورڈ سعید نے اس حقیقت کی جانب متوجہ کیا ہے کہ سادیت پسندی کے روگ میں مبتلا استحصالی عناصر پرانے شکاریوں کے مانند ہمیشہ نئے جال لے کر شکار گاہ میں پہنچتے ہیں اور کُھلی فضاؤں میں دانہ دُنکا چُگنے کے عادی طیور کو اسیرِ قفس رکھ کر لذتِ ایذا حاصل کرتے ہیں۔ عالمی سامراج کی سازش سے پس ماندہ اقوام کی آزادی بے وقار اور موہوم ہو کر رہ گئی ہے۔ مغرب کی استعماری طاقتوں نے مشرق کے پس ماندہ ممالک میں اپنی نو آبادیاں قائم کر کے ان ممالک کی تہذیب و ثقافت، فنون لطیفہ، سماج اور معاشرت کے بارے میں گمراہ کُن تجزیے پیش کیے۔ حقائق کی تمسیخ اور مسلمہ صداقتوں کی تکذیب مغرب کے عادی دروغ گو محققین کا وتیرہ رہا ہے۔ یہ سلسلہ اس وقت سے جاری ہے جب فرانس کے مہم جُو نپولین بونا پارٹ (Napoleon Bonaparte) نے ۱۷۹۸ء میں مصر اور شام پر دھاوا بول دیا تھا۔ یہ حالات کی ستم ظریفی نہیں تو اور کیا ہے کہ ان سابقہ نو آبادیات میں سلطانیٔ جمہور کا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکا۔ ان ممالک کے حکمرانوں کے سر پر تو خود مختار حکومت کا جعلی تاج سجا دیا گیا ہے مگر ان کے پاؤں بیڑیوں سے فگار ہیں۔

دوسری عالمی جنگ کے بعد پُوری دنیا میں فکر و نظر کی کایا پلٹ گئی۔ محکوم اقوام کا لہو سوزِ یقیں سے گرمانے والے قائدین نے ممولے کو عقاب سے لڑنے کا ولولہ عطا کیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ سامراجی طاقتوں کو اپنا بوریا بستر لپیٹ کر اپنی نو آبادیات سے بادلِ نخواستہ کُوچ کرنا پڑا۔ وقت کے اس ستم کو کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا کہ جاتے جاتے سامراجی طاقتوں نے اپنے مکر کی چالوں سے یہاں فتنہ و فساد اور خوف و دہشت کی فضا پیدا کر دی۔ ایڈورڈ سعید کا خیال تھا کہ ساتا روہن اور گُرگ منش شکاری ہمیشہ نئے جال تیار کرتے رہتے ہیں، زنجیریں بدلتی رہتی ہیں مگر الم نصیبوں کے روز و شب کے بدلنے کے امکانات معدوم دکھائی دیتے ہیں۔ اس نے یہ بات ہمیشہ زور دے کر کہی کہ جب تک کسی قوم کے افراد احتسابِ ذات پر

توجہ مرکوز نہیں کرتے اور حریتِ ضمیر سے جینے کی راہ نہیں اپناتے اس وقت تک اُن کی قسمت نہیں بدل سکتی۔حریتِ فکر وعمل اور حریتِ ضمیر سے جینے کی روش وہ زادِ راہ ہے جو زمانۂ حال کو سنوارنے، مستقبل کی پیش بینی اور لوحِ جہاں پر اپنا دوام ثبت کرنے کا وسیلہ ہے۔

ایڈورڈ سعید نے دیارِ مغرب کے مکینوں کی مشرق دشمنی کے خلاف نہایت بے باکی سے اظہارِ خیال کیا۔اس نے اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا کہ مطالعۂ ادب سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہومر کے زمانے ہی سے یورپی فکر پر جور وستم اور جبر واستبداد کا عنصر حاوی رہا ہے۔بادی النظر میں یہ تاثر عام ہے کہ ہر یورپی باشندے کا مزاج جابرانہ اور آمرانہ ہے اور نسل پرستی، سامراج کی حمایت اور مریضانہ قبیلہ پرستی اہلِ یورپ کی جبلت اور سرشت میں شامل ہے۔ایڈورڈ سعید کی زندگی شمع کے مانند گزری اس نے خبردار کیا کہ کوئی دیوتا، کسی قسم کے حالات، کوئی من گھڑت تجریدی تصور یا ضابطہ بے بس ولاچار اور بے گناہ انسانیت کے چام کے دام چلانے اور ان پر کوہِ ستم توڑنے اور مظلوم انسانوں کی زندگی کی شمع گُل کرنے کا جواز پیش نہیں کرتا۔اُسے یقین تھا کہ ظلم کا پرچم بالآخر سرنگوں ہوگا اور حریتِ ضمیر سے جینے والے عملی زندگی میں کامیاب وکامران ہوں گے۔ایڈورڈ سعید ان مظلوم انسانوں کا حقیقی ترجمان تھا جن کی زندگی جبرِ مسلسل برداشت کرتے کرتے کٹ جاتی ہے۔اس نے اس جانب متوجہ کیا کہ اقوام کی تاریخ اور تقدیر دراصل افراد ہی کی مرہونِ منت ہے۔یہ افراد ہی ہیں جو کسی قوم کی تاریخ کے مخصوص عہد کے واقعات کے بارے میں پائی جانے والی غلط فہمیوں اور ابہام کو دُور کر کے اِسے از سرِ نو مرتب کرتے ہیں۔افراد کی خاموشی کو تکلم اور بے زبانی کو بھی زبان کا درجہ حاصل ہے۔حریتِ فکر کی پیکار اور جبر کے خلاف ضمیر کی للکار سے تاریخ کا رُخ بدل جاتا ہے۔حریتِ فکر کے مجاہد تاریخ کے اوراق سے فرسودہ تصورات اور مسخ شدہ واقعات کو حذف کر کے اپنے خونِ جگر سے نئی خود نوشت تحریر کرتے ہیں۔جب جور وجفا کا بُرا وقت ٹل جاتا ہے تو تاریخ میں مذکور ماضی کی بے ہنگم اور بدوضع قباحتیں جنھیں ابن الوقت مسخروں نے نظر انداز کر دیا ان پر گرفت کی جاتی ہے۔افراد پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ ایامِ گزشتہ کی کتاب کے اوراق میں مذکور تمام بے سروپا واقعات کو لائقِ استرداد ٹھہراتے ہوئے انھیں تاریخ کے طوماروں میں دبا دیں۔

انسانیت نوازی ایڈورڈ سعید کے مزاج کا اہم وصف تھا۔اس کے نزدیک انسانیت نوازی کا ارفع معیار یہ تھا کہ جبر واستبداد کے خلاف بھرپور مزاحمت کی جائے اور مرگ آفریں استحصالی قوتوں کے مذموم ہتھکنڈوں اور بے رحمانہ انتقامی کارروائیوں کو ناکام بنانے کے لیے تمام وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے کسی قربانی سے دریغ نہ کیا جائے۔ہر ظالم سے اسے شدید نفرت تھی اور وہ چاہتا تھا کہ معاشرتی زندگی سے ان تمام شقاوت آمیز ناانصافیوں کو بیخ وبن سے اکھاڑ پھینکا جائے جن کے باعث تاریخِ انسانی کا سارا منظر نامہ ہی گہنا گیا ہے۔ایڈورڈ سعید نے زندگی کی حیات آفریں اقدار وروایات کے تحفظ کو اپنا نصب العین بنا رکھا تھا۔موت ایسے لوگوں کی زندگی کی شمع گُل نہیں کر سکتی بلکہ ان کے لیے تو موت ایک ماندگی کا وقفہ ہے جس کے بعد ان کے افکار کی تابانیوں کا ایک غیر مختتم سلسلہ شروع ہوتا ہے جو جریدۂ عالم پر ان کی بقائے دوام کو یقینی بنا دیتا ہے۔یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جس طرح پرتوِ خور سے شبنم کے قطرے ہوا میں تحلیل ہو جاتے ہیں، مگر اگلی صبح لالہ وگل کی پنکھڑیوں پر پھر شبنم کے قطرے موجود ہوتے ہیں۔اسی طرح طلوعِ صبح کے وقت شمع بالعموم گل کر دی جاتی ہے اور دن بھر کے سفر کے بعد شام ہوتے ہی پھر فروزاں کر دی جاتی ہے۔اُسی طرح ایڈورڈ سعید کے خیالات کی شمع ہمیشہ فروزاں رہے گی اور اس کی شخصیت کی عنبر فشانی سے قریۂ جاں سدا معطر رہے گا۔اس کے افکار کی بازگشت لمحات کے بجائے صدیوں پر محیط ہوگی۔

○○

اردو صحافت کا ارتقا

اردو صحافت نے ارتقاء کا عمل کن مراحل سے گزر کر پورا کیا ہے اور اس کے صحافیوں نے اپنی جفاکشی، محنت اور جدوجہد سے تاریخ کے صفحات پر جو نقوش ثبت کیے ہیں یہ کتاب دراصل اسی کا ایک مبسوط خاکہ ہے جس میں دو صدیوں پر محیط اردو صحافت کے تاریخی، فنی اور تکنیکی ارتقاء کی تاریخ کو سمیٹا گیا ہے۔کتاب میں اردو صحافت کو درپیش مسائل پر بھی گفتگو کی گئی ہے۔

مصنف: معصوم مرادآبادی، صفحات: ۲۲۴، قیمت: ۱۵۰/روپے

ناشر: اردو اکادمی، دہلی